رفتہ رفتہ یہ بات تمام انصار میں پھیل گئی اور ان میں ابن اُبَی کے خلاف سخت غصہ پیدا ہو گیا۔ لوگوں نے ابن اُبَی سے کہا جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگو۔ مگر اس نے تڑخ کر جواب دیا "تم نے کہا کہ اُن پر ایمان لاؤ۔ میں ایمان لے آیا۔ تم نے کہا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دو۔ میں نے زکوٰۃ بھی دے دی۔ اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمدؐ کو سجدہ کروں"۔ ان باتوں سے اس کے خلاف مومنینِ انصار کی ناراضی اور زیادہ بڑھ گئی اور ہر طرف سے اُس پر پھٹکار پڑنے لگی۔ جب یہ قافلہ مدینۂ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو عبداللہ بن اُبَی کے صاحبزادے، جن کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، تلوار سونت کر باپ کے آگے کھڑے ہو گئے اور بولے "آپ نے کہا تھا کہ مدینہ واپس پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال دے گا، اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ اور اس کے رسولؐ کی۔ خدا کی قسم، آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اجازت نہ دیں"۔ اس پر ابن اُبَی چیخ اٹھا "خزرج کے لوگو، ذرا دیکھو، میرا بیٹا ہی مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے"۔ لوگوں نے یہ خبر حضورؐ تک پہنچائی اور آپ نے فرمایا "عبداللہ سے کہو، اپنے باپ کو گھر آنے دے"۔ عبداللہؓ نے کہا "اُن کا حکم ہے تو اب آپ داخل ہو سکتے ہیں"۔ اُس وقت حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "کیوں عمر، اب تمہارا کیا خیال ہے؟ جس وقت تم نے کہا تھا کہ مجھے اُس کو قتل کرنے کی اجازت دیجیے اُس وقت اگر تم اسے قتل کر دیتے تو بہت سی ناکیں اس پر پھڑک اٹھتیں۔ آج اگر میں اس کے قتل کا حکم دوں تو اسے قتل تک کیا جا سکتا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "خدا کی قسم اب مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسول کی بات میری بات سے زیادہ بنی بر حکمت تھی"۔[1]

---

[1] اس سے دو اہم شرعی مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ جو طرزِ عمل ابن اُبَی نے اختیار کیا تھا، اگر کوئی شخص مسلم ملت میں رہتے ہوئے اُس طرح کا رویہ اختیار کرے تو وہ قتل کا مستحق ہے۔ دوسرے یہ کہ محض قانوناً کسی شخص کے مستحقِ قتل ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرور اسے قتل ہی کر دیا جائے۔ ایسے کسی فیصلے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا اس کا قتل کسی عظیم تر فتنے کا موجب تو نہ بن جائے گا۔ حالات سے آنکھیں بند کر کے قانون کا اندھا دھند استعمال بعض اوقات اُس مقصد کے خلاف بالکل اُلٹا نتیجہ پیدا کر دیتا ہے جس کے لیے قانون استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ایک منافق اور مفسد آدمی کے پیچھے کوئی قابلِ لحاظ سیاسی طاقت موجود ہو تو اسے سزا دے کر مزید فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع دینے سے بہتر یہ ہے کہ حکمت اور تدبّر کے ساتھ اُس اصل

یہ تھے وہ حالات جن میں یہ سورت، اغلب یہ ہے کہ حضورؐ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی۔

۴۔ سیاسی طاقت کا استیصال کر دیا جائے جس کے بل پر وہ شرارت کر رہا ہو۔ یہی مصلحت تھی جس کی بنا پر حضورؐ نے عبداللہ بن اُبَی کو اُس وقت بھی سزا نہ دی جب آپ اسے سزا دینے پر قادر تھے، بلکہ اُس کے ساتھ برابر نرمی کا سلوک کرتے رہے، یہاں تک کہ دو تین سال کے اندر مدینہ میں منافقین کا زور ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

اَے نبیؐ، جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسُول ہیں"۔ ہاں، اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور اُس کے رسول ہو، مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے[۱]

---

[۱] یعنی جو بات وہ زبان سے کہہ رہے ہیں وہ ہے تو بجائے خود سچی، لیکن چونکہ اُن کا اپنا عقیدہ وہ نہیں ہے جسے وہ زبان سے ظاہر کر رہے ہیں، اس لیے اپنے اِس قول میں وہ جھوٹے ہیں کہ وہ آپ کے رسول ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ شہادت دو چیزوں سے مرکب ہوتی ہے۔ ایک وہ اصل بات جس کی شہادت دی جائے۔ دوسرے اُس بات کے متعلق شہادت دینے والے کا اپنا عقیدہ۔ اب اگر بات بجائے خود بھی سچی ہو اور شہادت دینے والے کا عقیدہ بھی وہی ہو جس کو وہ زبان سے بیان کر رہا ہو، تو ہر لحاظ سے سچا ہو گا۔ اور اگر بات اپنی جگہ جھوٹی ہو، لیکن شہادت دینے والا اُسی کے حق ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو، تو ہم ایک لحاظ سے اُس کو سچا کہیں گے، کیونکہ وہ اپنا عقیدہ بیان کرنے میں صادق ہے، اور ایک دوسرے لحاظ سے اس کو جھوٹا کہیں گے، کیونکہ جس بات کی وہ شہادت دے رہا ہے وہ بجائے خود غلط ہے۔ اس کے برعکس اگر بات اپنی جگہ سچی ہو لیکن شہادت دینے والے کا اپنا عقیدہ اس کے خلاف ہو، تو ہم اِس لحاظ سے اس کو سچا کہیں گے کہ وہ صحیح بات کی شہادت دے رہا ہے، اور اِس لحاظ سے اس کو جھوٹا کہیں گے کہ اس کا اپنا عقیدہ وہ نہیں ہے جس کا وہ زبان سے اظہار کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر ایک مومن اگر اسلام کو برحق کہے تو وہ ہر لحاظ سے سچا ہے لیکن ایک یہودی اپنی یہودیت پر قائم رہتے ہوئے اس دین کو اگر برحق کہے تو بات اس کی سچی ہو گی مگر شہادت اس کی جھوٹی قرار دی جائے گی، کیونکہ وہ اپنے عقیدے

ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے[2] اور اِس طرح یہ اللہ کے راستے سے خود رُکتے اور دنیا کو روکتے ہیں[3]۔ کیسی بُری حرکتیں ہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے ایمان لاکر

کے خلاف شہادت دے رہا ہے۔ اور اگر وہ اِس دین کو باطل کہے، تو ہم کہیں گے کہ بات اَصلی جھوٹی ہے، مگر شہادت وہ اپنے عقیدے کے مطابق سچی دے رہا ہے۔

[2] یعنی اپنے مسلمان اور مومن ہونے کا یقین دلانے کے لیے جو قسمیں وہ کھاتے ہیں، اُن سے وہ ڈھال کا کام لیتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے غصے سے بچے رہیں اور ان کے ساتھ مسلمان وہ برتاؤ نہ کر سکیں جو کُھلے کُھلے دشمنوں سے کیا جاتا ہے۔

اِن قسموں سے مراد وہ قسمیں بھی ہو سکتی ہیں جو وہ بالعموم اپنے ایمان کا یقین دلانے کے لیے کھایا کرتے تھے، اور وہ قسمیں بھی ہو سکتی ہیں جو کسی منافقانہ حرکت کے پکڑے جانے پر وہ کھاتے تھے تاکہ مسلمانوں کو یہ یقین دلائیں کہ وہ حرکت انہوں نے منافقت کی بنا پر نہیں کی تھی، اور وہ قسمیں بھی ہو سکتی ہیں جو عبداللہ بن اُبَیّ نے حضرت زید بن اَرقم کی دی ہوئی خبر کو جھٹلانے کے لیے کھائی تھیں۔ اِن سب احتمالات کے ساتھ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِس قول کو قسم قرار دیا ہو کہ "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ اس آخری احتمال کی بنا پر فقہاء کے درمیان یہ بحث پیدا ہوئی ہے کہ کوئی شخص "میں شہادت دیتا ہوں" کے الفاظ کہہ کر کوئی بات بیان کرے تو آیا اسے قسم یا حلف (OATH) قرار دیا جائے گا یا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب (امام زُفر کے سوا) اور امام سفیانؒ ثوری اور امام اَوزاعی اسے حلف (شرعی اصطلاح میں یمین) قرار دیتے ہیں۔ امام زُفر کہتے ہیں کہ یہ حلف نہیں ہے۔ امام مالک سے دو قول مروی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مطلقاً حلف ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے "شہادت دیتا ہوں" کے الفاظ کہتے وقت نیت یہ کی ہو کہ "خدا کی قسم میں شہادت دیتا ہوں"، یا "خدا کو گواہ کر کے میں شہادت دیتا ہوں"، تو اس صورت میں یہ حلفیہ بیان ہوگا ورنہ نہیں۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر کہنے والا یہ الفاظ بھی کہے کہ میں "خدا کو گواہ کر کے شہادت دیتا ہوں"، تب بھی اس کا یہ بیان حلفیہ بیان نہ ہوگا، اِلّا یہ کہ یہ الفاظ اس نے حلف اٹھانے کی نیت سے کہے ہوں (احکام القرآن للجصاص۔ احکام القرآن لابن العربی)

[3] صدّ کا لفظ عربی زبان میں لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ اس لیے صَدُّوا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ اللہ کے راستے سے خود رُکتے ہیں، اور یہ بھی کہ وہ اس راستے سے دوسروں کو روکتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے ترجمہ میں

پھر کفر کیا اس لیے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اب یہ کچھ نہیں سمجھتے۔[۴]

اِنہیں دیکھو تو اِن کے جُثّے تمہیں بڑے شاندار نظر آئیں۔ بولیں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔[۵] مگر اصل میں

دونوں معنی درج کر دیئے ہیں پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ اپنی اِن قسموں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے اندر اپنی جگہ محفوظ کر لینے کے بعد وہ اپنے لیے ایمان کے تقاضے پورے نہ کرنے اور خدا اور رسُول کی اطاعت سے پہلو تہی کرنے کی آسانیاں پیدا کر لیتے ہیں۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہو گا کہ اپنی اِن جھوٹی قسموں کی آڑ میں وہ شکار کھیلتے ہیں، مسلمان بن کر مسلمانوں کی جماعت میں اندر سے رخنے ڈالتے ہیں، مسلمانوں کے اَسرار سے واقف ہو کر دشمنوں کو اُن کی خبریں پہنچاتے ہیں، اَسلام سے غیر مسلموں کو بدگمان کرنے اور خود سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں شبہات اور وسوسے ڈالنے کے لیے وہ وہ حربے استعمال کرتے ہیں جو صرف ایک مسلمان بنا ہُوا منافق ہی استعمال کر سکتا ہے، کھلا کھلا دشمنِ اسلام اُن سے کام نہیں لے سکتا۔

[۴] اس آیت میں ایمان لانے سے مراد ایمان کا اقرار کر کے مسلمانوں میں شامل ہونا ہے۔ اور کفر کرنے سے مراد دل سے ایمان نہ لانا اور اُسی کفر پر قائم رہنا ہے جس پر وہ اپنے ظاہری اقرارِ ایمان سے پہلے قائم تھے۔ کلام کا مدعا یہ ہے کہ جب انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر سیدھے سیدھے ایمان یا صاف صاف کفر کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے یہ منافقانہ روش اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور ان سے یہ توفیق سلب کر لی گئی کہ وہ ایک سچّے اور بے لاگ اور شریف انسان کا سا رویہ اختیار کریں۔ اب ان کی سمجھ بوجھ کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے۔ ان کی اخلاقی حس مر چکی ہے۔ انہیں اس راہ پر چلتے ہوئے کبھی یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ شب و روز کا جھوٹ اور یہ ہر وقت کا مکر و فریب اور یہ قول و فعل کا دائمی تضاد، کیسی ذلیل حالت ہے جس میں انہوں نے اپنے آپ کو مبتلا کر لیا ہے۔

یہ آیت منجملہ اُن آیات کے ہے جن میں اللہ کی طرف سے کسی کے دل پر مُہر لگانے کا مطلب بالکل واضح طریقہ سے بیان کر دیا گیا ہے۔ ان منافقین کی یہ حالت اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مُہر لگا دی تھی اس لیے ایمان ان کے اندر اُتر ہی نہ سکا اور وہ مجبوراً منافق بن کر رہ گئے۔ بلکہ اس نے ان کے دلوں پر یہ مُہر اس وقت لگائی جب انہوں نے اظہارِ ایمان کرنے کے باوجود کفر پر قائم رہنے کا فیصلہ کر لیا تب ان سے مخلصانہ ایمان اور اس سے پیدا

یہ گویا لکڑی کے کُندے ہیں جو دیوار کے ساتھ چُن کر رکھ دیئے گئے ہوں[۵] - ہر زور کی آواز کو یہ اپنے خلاف سمجھتے ہیں[۶]۔ یہ پکّے دشمن ہیں[۷]، ان سے بچ کر رہو[۸]۔ اللہ کی مار اِن پر[۹]، یہ کدھر اُلٹے پھرائے جا رہے ہیں[۱۰]۔

ہونے والے اخلاقی رویّہ کی توفیق سلب کرلی گئی اور اُس منافقت اور منافقانہ اخلاق ہی کی توفیق انہیں دے دی گئی جسے انھوں نے خود اپنے لیے پسند کیا تھا۔

[۵] حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبَی بڑے ڈیل ڈول کا، تندرست، خوش شکل اور چرب زبان آدمی تھا۔ اور یہی شان اس کے بہت سے ساتھیوں کی تھی۔ یہ سب مدینہ کے رئیس لوگ تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو دیواروں سے تکیے لگا کر بیٹھتے اور بڑی لچّے دار باتیں کرتے۔ ان کے جُثّے بُشرے کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سُن کر کوئی یہ گمان تک نہ کر سکتا تھا کہ بستی کے یہ معززین اپنے کردار کے لحاظ سے اتنے ذلیل ہونگے۔

[۶] یعنی یہ جو دیواروں کے ساتھ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں، یہ انسان نہیں ہیں بلکہ لکڑی کے کُندے ہیں۔ اُن کو لکڑی سے تشبیہ دے کر یہ بتایا گیا کہ یہ اخلاق کی رُوح سے خالی ہیں جو اصل جوہرِ انسانیت ہے۔ پھر انہیں دیوار سے لگے ہوئے کندوں سے تشبیہ دے کر یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ بالکل ناکارہ ہیں۔ کیونکہ لکڑی بھی اگر کوئی فائدہ دیتی ہے تو اُس وقت جبکہ وہ کسی چھت میں، یا کسی دروازے میں، یا کسی فرنیچر میں لگ کر استعمال ہو رہی ہو۔ دیوار سے لگا کر کُندے کی شکل میں جو لکڑی رکھ دی گئی ہو وہ کوئی فائدہ بھی نہیں دیتی۔

[۷] اس مختصر سے فقرے میں ان کے مجرم ضمیر کی تصویر کھینچ دی گئی ہے۔ چونکہ وہ اپنے دلوں میں خوب جانتے تھے کہ وہ ایمان کے ظاہری پردے کی آڑ میں منافقت کا کیا کھیل کھیل رہے ہیں، اس لیے انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کب ان کے جرائم کا راز فاش ہو، یا ان کی حرکتوں پر اہلِ ایمان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور ان کی خبر لے ڈالی جائے۔ بستی میں کسی طرف سے بھی کوئی زور کی آواز آتی یا کہیں کوئی شور بلند ہوتا تھا تو وہ سہم جاتے اور یہ خیال کرتے تھے کہ آ گئی ہماری شامت۔

[۸] دوسرے الفاظ میں کھلے دشمنوں کی بہ نسبت یہ چھپے ہوئے دشمن زیادہ خطرناک ہیں۔

[۹] یعنی ان کے ظاہر سے دھوکا نہ کھاؤ۔

[۱۰] یہ بد دعا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں اِس فیصلے کا اعلان ہے کہ وہ اس کی مار

اور جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے، تو سر جھٹکتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ بڑے گھمنڈ کے ساتھ آنے سے رُکتے ہیں[12]۔ اَے نبی، تم چاہے ان کے لیے مغفرت کی دُعا کرو یا نہ کرو، ان کے لیے یکساں ہے۔ اللہ ہرگز انہیں معاف نہ کرے گا[13]۔ اللہ فاسق لوگوں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا[14]۔

کے مستحق ہو چکے ہیں، ان پر اس کی مار پڑ کر رہے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے لغوی معنی میں استعمال نہ فرمائے ہوں بلکہ عربی محاورے کے مطابق لعنت اور پھٹکار اور مذمت کے لیے استعمال کیے ہوں، جیسے اُردو میں ہم کسی کی بُرائی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ستیاناس اُس کا، کیسا خبیث آدمی ہے وہ۔ اس لفظ ستیاناس سے مقصود اس کی خباثت کی شدت ظاہر کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کے حق میں بددعا کرنا۔

۱۱ یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کو ایمان سے نفاق کی طرف اُلٹا پھرانے والا کون ہے۔ اس کی تصریح نہ کرنے سے خود بخود یہ مطلب نکلتا ہے کہ اُن کی اِس اوندھی چال کا کوئی ایک محرک نہیں ہے بلکہ بہت سے محرکات اس میں کارفرما ہیں۔ شیطان ہے۔ بُرے دوست ہیں۔ ان کے اپنے نفس کی اغراض ہیں۔ کسی کی بیوی اس کی محرک ہے۔ کسی کے بچے اس کے محرک ہیں۔ کسی کی برادری کے اشرار اس کے محرک ہیں۔ کسی کو حسد اور بُغض اور تکبر نے اس راہ پر ہانک دیا ہے۔

۱۲ یعنی صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ رسول کے پاس استغفار کے لیے نہ آئیں، بلکہ یہ بات سُن کر غرور اور تمکنت کے ساتھ سر کو جھٹکا دیتے ہیں اور رسول کے پاس آنے اور معافی طلب کرنے کو اپنی توہین سمجھ کر اپنی جگہ جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ ان کے مومن نہ ہونے کی کھلی علامت ہے۔

۱۳ یہ بات سورۂ توبہ میں (جو سورۂ منافقون کے تین سال بعد نازل ہوئی ہے) اور زیادہ تاکید کے ساتھ فرما دی گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے منافقین کے متعلق فرمایا کہ "تم چاہے ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کرو گے تو اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے، اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا" (التوبہ۔ آیت ۸۰)۔ آگے چل کر پھر فرمایا "اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھنا اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ اِن لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے کفر کیا ہے اور یہ فاسق ہونے کی حالت میں مرے ہیں" (التوبہ۔ آیت ۸۴)۔

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کے ساتھیوں پر خرچ کرنا بند کر دو تاکہ یہ منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ زمین اور آسمانوں کے خزانوں کا مالک اللہ ہے، مگر یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔[۱۵] حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے،[۱۶] مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں۔ ؏

اے[۱۷] لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔[۱۸] جو

---

۱۴ اس آیت میں دو مضمون بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ دعائے مغفرت صرف ہدایت یافتہ لوگوں ہی کے حق میں مفید ہو سکتی ہے۔ جو شخص ہدایت سے پھر گیا ہو اور جس نے اطاعت کے بجائے فسق و نافرمانی کی راہ اختیار کر لی ہو، اس کے لیے کوئی عام آدمی تو درکنار، خود اللہ کا رسول بھی مغفرت کی دعا کرے تو اسے معاف نہیں کیا جا سکتا دوسرے یہ کہ ایسے لوگوں کو ہدایت بخشنا اللہ کا طریقہ نہیں ہے جو اس کی ہدایت کے طالب نہ ہوں۔ اگر ایک بندہ خود اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے منہ موڑ رہا ہو، بلکہ ہدایت کی طرف اسے بلایا جائے تو سر جھٹک کر غرور کے ساتھ اس دعوت کو رد کر دے، تو اللہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس کے پیچھے پیچھے اپنی ہدایت لیے پھرے اور خوشامد کر کے اسے راہِ راست پر لائے۔

۱۵ حضرت زید بن ارقم کہتے ہیں کہ جب میں نے عبداللہ بن اُبَی کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا، اور اس نے آکر صاف انکار کر دیا اور اس پر قسم کھا گیا، تو انصار کے بڑے بوڑھوں نے اور خود میرے اپنے چچا نے مجھے بہت ملامت کی حتیٰ کہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ حضورؐ نے بھی مجھے جھوٹا اور عبداللہ بن اُبَی کو سچا سمجھا ہے۔ اس چیز سے مجھے ایسا غم لاحق ہوا جو عمر بھر کبھی نہیں ہوا اور میں دل گرفتہ ہو کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر ہنستے ہوئے میرا کان پکڑا اور فرمایا لڑکے کا کان سچا تھا، اللہ نے اس کی خود تصدیق فرما دی (ابن جریر۔ ترمذی میں بھی اس سے ملتی جلتی روایت موجود ہے)۔

۱۶ یعنی عزت اللہ کے لیے بالذات مخصوص ہے، اور رسول کے لیے بربنائے رسالت، اور مومنین کے لیے بربنائے ایمان۔ رہے کفار و فساق و منافقین، تو حقیقی عزت میں سرے سے ان کا کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔

۱۷ اب تمام اُن لوگوں کو جو دائرۂ اسلام میں داخل ہوں، قطع نظر اس سے کہ سچے مومن ہوں یا محض زبانی

لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اِس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اُس وقت وہ کہے کہ " اے میرے رب، کیوں نہ تُو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا "۔ حالانکہ جب کسی کی مہلتِ عمل پُوری ہونے کا وقت آجاتا ہے تو اللہ کسی شخص کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے ؏

اقرار ایمان کرنے والے، خطاب کر کے ایک عام کلمہ نصیحت ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ یہ بات اس سے پہلے ہم کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے کبھی تو سچے اہلِ ایمان کو خطاب کیا جاتا ہے، اور کبھی اس کے مخاطب منافقین ہوتے ہیں کیونکہ وہ زبانی اقرار ایمان کرنے والے ہوا کرتے ہیں، اور کبھی ہر طرح کے مسلمان بالعموم اس سے مراد ہوتے ہیں۔ کلام کا موقع و محل یہ بتا دیتا ہے کہ کہاں کونسا گروہ ان الفاظ کا مخاطب ہے۔

شلہ مال اور اولاد کا ذکر تو خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ انسان زیادہ تر انہی کے مفاد کی خاطر ایمان کے تقاضوں سے منہ موڑ کر منافقت، یا ضعفِ ایمان، یا فسق و نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے، ورنہ درحقیقت مراد دنیا کی ہر وہ چیز ہے جو انسان کو اپنے اندر اتنا مشغول کرے کہ وہ خدا کی یاد سے غافل ہو جائے۔ یہ یادِ خدا سے غفلت ہی ساری خرابیوں کی اصل جڑ ہے۔ اگر انسان کو یہ یاد رہے کہ وہ آزاد نہیں ہے بلکہ ایک خدا کا بندہ ہے، اور وہ خدا اس کے تمام اعمال سے باخبر ہے، اور اس کے سامنے جا کر ایک دن اسے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے، تو وہ کبھی کسی گمراہی و بدعملی میں مبتلا نہ ہو، اور بشری کمزوری سے اس کا قدم اگر کسی وقت پھسل بھی جائے تو ہوش آتے ہی وہ فوراً سنبھل جائے۔

ترکی میں تحریکِ احیائے اسلام کی موجودہ حالت

دورۂ ترکی کے مشاہدات

از جناب خلیل حامدی صاحب

(۲)

لادینیت کے نفاذ کا ردِ عمل موصوف نے جب اپنی یہ داستان مکمل کرلی تو میں نے دریافت کیا کہ یہ واقعات تو ہمیں کسی نہ کسی حد تک معلوم ہیں، لیکن میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مسلم عوام کا اس وقت ردِ عمل کیا تھا اور ملتِ اسلامی نے ان تبدیلیوں کو کس طرح ہضم کرلیا، خاص طور پر عائلی قوانین کو کس حد تک عملاً قبول کیا گیا؟ وہ بتلانے لگے کہ شروع شروع میں تو عوام کے اندر ان تبدیلیوں کے خلاف سخت بے چینی اور غم وغصہ کا اظہار کیا گیا، مگر چونکہ مصطفیٰ کمال نے بلقان کی جنگوں کے اندر بعض اچھے کارنامے سرانجام دیئے تھے اس لیے لوگ اس کے بارے میں غلط فہمی میں رہے۔ مسٹر نائف درمیان میں وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ دراصل اِس تمام خرابی کی ذمہ داری فوزی چقماق پاشا کی گردن پر ہے۔ فوزی پاشا کو معلوم ہو چکا تھا کہ "غازی" نے اب اپنا راستہ بدل لیا ہے، مگر اس کے باوجود وہ خاموش رہے! ولی اللہ صاحب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ کُردوں نے اس لادینی نظام کے خلاف بغاوت کردی تھی۔ ۱۳ فروری ۱۹۲۵ء کو ایک کُرد رہنما شیخ سعید نے، جو سلسلۂ نقشبندیہ کے شیخ تھے، تینوں مشرقی صوبوں کے اندر علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ ان تینوں صوبوں میں اکثریت کُردوں کی ہے۔ شیخ نے کُردوں کی دینی غیرت وحمیت کو بھڑکا دیا اور باقاعدہ اعلانِ جہاد بلند کردیا۔ کُردوں نے خلافت کی بحالی کا مطالبہ کھڑا کردیا اور خلافت کے منصب کے لیے عبدالحمید ثانی کے بیٹے سلیم کا نام پیش کیا۔ مذکورہ تینوں صوبوں کو اپنے زیرِ اثر لانے کے بعد شیخ سعید دیاربکر کی طرف بڑھے اور آمد پر بھی قبضہ کرلیا۔ لیکن کرد سلسلۂ جنگ کو جاری نہ رکھ سکے اور بالآخر انہیں شکست کھانی پڑی۔ دراصل مصطفیٰ کمال نے ترکی کے اندر وسیع پیمانے پر یہ بات پھیلادی کہ "ترکی کو اس وقت شدید خطرہ لاحق ہے۔ ترکی کے دشمن انگریز، کُردوں کی پُشت پناہی کر رہے ہیں اور مال اور ہتھیاروں سے برابر ان کی مدد کر رہے ہیں"۔ مصطفیٰ کمال کے اِس جھوٹے پروپگنڈے نے

ناواقف عوام پر بڑا اثر کیا اور وہ کردوں کی بغاوت ختم کرنے کے لیے مصطفیٰ کمال کے ہمنوا ہو گئے۔ کیونکہ ایک طرف ان کے سامنے مصطفیٰ کمال کی غیر اسلامی اصلاحات تھیں اور دوسری طرف خود وطن کی آزادی اور سالمیت کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ دو مہینے بھی نہ گزرے کہ مصطفیٰ کمال نے ترک عوام کی مدد سے کردوں کے خلاف سخت کارروائی کی اور ان کی بغاوت کو فرو کر دیا۔ کردستان کے اندر اس قدر قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا کہ پورا علاقہ آگ اور خون میں نہانے لگا۔ "باغیوں" سے انتقام لینے کے لیے عدالتیں قائم کی گئیں جنہیں "آزادی کی عدالتیں" کہا گیا۔ بڑے بڑے کرد سرداروں کو ان عدالتوں کی طرف سے پھانسی، جلاوطنی اور قید کی سزائیں دی گئیں۔ کرد عوام کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ صرف دیار بکر کے اندر جن قبائلی سرداروں کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا ان کی تعداد چالیس تھی۔ شیخ سعید کو، جو قائدِ انقلاب تھے، سب سے آخر میں پھانسی دی گئی۔

تشدد کا دور دورہ | نائف آفندی نے اس بیان پر مزید اضافہ یہ کیا کہ کردوں کے علاوہ اناطول کے دوسرے علاقوں میں بھی متعدد افراد نے "غازی" کی اصلاحات کے خلاف اقدامات کیے۔ مگر اس وقت تشدد کا اس قدر شدید دور دورہ تھا کہ ہر شخص پس کر رہ گیا۔ فوجی جرنیلوں کی ایک ایسی ٹیم مصطفیٰ کمال کے ساتھ تعاون کر رہی تھی جو ترک باشندوں کے ساتھ اجنبی فاتح فوج سے بھی بدتر سلوک کرتی تھی اور خاص طور پر مسلمان ترک اس کی نگاہ میں حد درجہ مبغوض تھا۔ کردوں کی مسلح بغاوت کو ختم کرنے کے بعد ان لوگوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ انہوں نے اب اپنے سیاسی حریفوں سے نمٹنا شروع کر دیا۔ ۱۹۲۱ء میں ان عناصر نے جو مصطفیٰ کمال کے لادینی اور تجدد پسندانہ افکار کے خلاف تھے، ایک جماعت کی تشکیل کی تھی جسے پہلے "جماعت دوم" کا نام دیا گیا اور بعد میں یہ "حزب احرار" اور "حزب جمہوری ترقی" کے ناموں سے مشہور ہوئی۔ یہ حزب مصطفیٰ کمال کی ری پبلکن پارٹی کی مخالف تھی۔ اس کے اندر تین طرح کے عناصر شریک تھے۔ کچھ خالص سیاسی لوگ، دوسرے دینی حلقے، اور تیسرے "نوجوان ترکی" پارٹی کے لیڈر۔ مصطفیٰ کمال کے بعض سابق حامی بھی، جو اب اس کے خلاف تھے، اس میں شامل ہو گئے تھے۔ اس طرح سے "جماعت دوم" نے اچھی خاصی طاقت حاصل کر لی تھی۔ مگر کردوں کی بغاوت کو بہانہ بنا کر مصطفیٰ کمال نے اس پارٹی کو توڑنے کا حکم جاری کر دیا اور اس پر یہ الزام دھرا کہ کردوں کی بغاوت کے اندر اس پارٹی کا ہاتھ ہے، یہ وطن دشمن اور غداروں کا گروہ ہے۔ اور اس کا وجود ملک اور قوم کی سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد مصطفیٰ کمال نے شہروں

اور بستیوں کے اندر "آزادی کی عدالتیں" قائم کر دیں۔ ایک ایک مخالف شخص کو ان عدالتوں کے اندر گھسیٹا گیا اور اُسے سزا دی گئی۔ مسٹر نائف نے بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ بتایا کہ اُس وقت پورے ملک کے اندر دیوِ استبداد رقص کر رہا تھا۔ جس شخص پر بھی یہ شُبہ گزر جاتا کہ یہ "اصلاحات" کا مخالف ہے اُسے یا تو پھانسی پر لٹکا دیا جاتا یا اُسے سخت تعذیب کا نشانہ بنایا جاتا، یا ملک سے باہر نکال دیا جاتا۔ "غازی" کا جوشِ انتقام کہیں تھمتا نظر نہ آتا تھا۔ یوں اندازہ ہو رہا تھا کہ جیسے یہ شخص ترک ملّت کا فرد نہیں ہے بلکہ کوئی غیر ملکی فاتح ہے۔ کیونکہ تشدّد کا یہ انداز تو تاتاریوں نے بھی اِس سرزمین کے اندر روا نہیں رکھا تھا جب وہ سلجوقیوں کے آخری عہد میں یہاں حملہ آور ہوئے تھے۔ عوام سے انتقام لینے کے بعد "غازی" نے اپوزیشن کے لیڈروں کی طرف رُخ کیا۔ اپوزیشن کے لیڈر رؤف بے میری مراد "حزب دوم" کے رہنما ہیں۔ اُن پر نئی فردِ جرم یہ عائد کی گئی کہ ان لیڈروں نے اُس کے قتل کی سازش کی ہے جو بر وقت افشاء ہو گئی ہے۔ چنانچہ ان سب لیڈروں کو بھی جن میں کئی سیاسی اور دینی پیشوا اور بڑی بڑی قابلِ احترام ہستیاں تھیں، "آزادی کی عدالتوں" میں پیش کر دیا گیا۔ دوسری صف کے تمام لوگوں کو چوراہوں میں پھانسیاں دی گئیں۔ صرف صفِ اوّل کے چار افراد کو معافی دی گئی اور باقی سب دار و رسن کے حوالے کیے گئے۔ مسٹر نائف نے اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے یہ بھی انکشاف کیا کہ عین اس وقت جب مخالفین کو شہر کے چوراہوں پر پھانسیاں دی جا رہی تھیں، "غازی" کے محل میں جو "شان کیا" کے اندر واقع ہے، رقص و سرود اور جام و مے کا دور چل رہا تھا۔ "غازی" خوش تھا کہ اُس نے اپنا راستہ پوری طرح صاف کر لیا ہے۔

عائلی اصلاحات کا حشر | نائف آفندی اور دوسرے دوستوں کی اِس مفصل اور دلچسپ گفتگو نے ترکی کی تاریخ حاضر کے نہایت اہم پہلو اجاگر کر دیئے اور راقم الحروف اس لحاظ سے مطمئن تھا کہ یہ معلومات خود ترکی کی سرزمین کے اندر ترکی قوم کے اُن افراد سے دستیاب ہو رہی ہیں جو ان واقعات کے عینی شاہد ہیں یا اپنے بزرگوں کی زبان سے ان واقعات کو سن چکے ہیں۔ میرے سوال کا دوسرا حصہ یہ تھا کہ عائلی قوانین کو کس حد تک اِس ملک کے اندر نافذ کیا گیا اور کیا فی الواقع ترکی کے مسلم معاشرے نے ان قوانین کی پابندی کی؟ شیخ عمر نصّوحی، جو اب اُٹھنے کے لیے کروٹ بدل رہے تھے، اور انہوں نے اپنا ہیٹ بھی سر پہ رکھ لیا تھا، اِس کا مختصر جواب دیتے ہوئے فرمانے لگے:

"ترکی کا موجودہ عائلی قانون دراصل سوئٹزرلینڈ کے سول لا سے ماخوذ ہے۔ بلکہ اُس کا مکمل چربہ ہے۔ مسیحی معاشرے کے قانون کو ترکی کے مسلم معاشرے میں اندھا دُھند نافذ کر دیا گیا۔ اب ایسے "ٹرکش سول لا" کہا جاتا ہے۔ اِس قانون نے وراثت کے تمام اسلامی احکام اور شخصی قوانین کو بدل ڈالا اور تعددِ ازدواج کو بلاقید و شرط ممنوع قرار دے دیا۔ یہ قانون ۱۹۲۵ء میں مجلّہ احکام کو منسوخ کر دینے کے بعد جاری کیا گیا۔ اب اسے ۴۳ سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے مگر یہ کہنا کہ یہ قانون کامیاب ہوا ہے یا کسی حد تک بھی کامیاب ہوا ہے مشکل ہے۔ ہم نے ترکی کے مختلف طبقوں کی زبان سے مسلسل یہ شکایتیں سُنی ہیں کہ یہ قانون مالی، اخلاقی اور نفسیاتی ہر لحاظ سے معاشرے پر بارِ گراں بن رہا ہے اور ترکی کی اجتماعی اور نظریاتی زندگی کے ساتھ بُری طرح متصادم ہے۔ اس نے ترکی کی شہری زندگی کے اندر بداخلاقی، آوارگی اور جنسی آزادی کو جنم دیا ہے۔"

"قانونی" شادیاں اور "شرعی" شادیاں | شیخ عمر نصُوحی نے اپنے حافظے پر بوجھ ڈالا اور اس سلسلے میں اُس دور کی بعض دلچسپ معلومات بیان کیں جب کہ اِس قانون کے نفاذ کے لیے حکومت کے پُورے ذرائع حرکت کر رہے تھے اور جبر و استبداد ملک پر حکمرانی کر رہا تھا۔ ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک دس سال کے نتائج پر موصوف روشنی ڈالتے ہوئے بتانے لگے:

"اِن دس سالوں کے اندر ۵ لاکھ ایسی شادیاں ہوئیں جو اس قانون کے خلاف تھیں۔ لوگ شریعتِ اسلامی کے مطابق نکاح منعقد کر لیتے تھے اور اُسے حکومت سے مخفی رکھتے تھے۔ بالآخر جب حکومت کے علم میں اِن خلاف ورزیوں کی مسلسل اطلاعات آنے لگیں تو حکومت کی طرف سے ایک ضمنی قانون جاری کیا گیا ——— ——— جس کی رُو سے ایسی غیر قانونی شادیوں کو "قانونی" قرار دے دیا گیا اور انہیں باقاعدہ رجسٹرڈ کر دیا گیا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو تمام سرکاری فیسیں معاف کر دی گئیں۔ ۱۹۳۵ء ہی میں اس نوعیت کا ایک اور "قانونِ معافی" صادر ہوا۔ اِن تفصیلات کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ مذکورہ دس سالوں کے اندر جو خفیہ شادیاں ہوئیں۔ وہ اُن شادیوں سے دوگنی تھیں جو اِن سالوں کے اندر ترکی کے مختلف اضلاع میں سرکاری رجسٹروں میں درج کی گئیں۔ کیونکہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اِس عرصہ میں رجسٹرڈ شادیوں کی تعداد تین لاکھ چھ ہزار کے قریب تھی جبکہ خفیہ شادیوں کی تعداد ۵ لاکھ کے قریب تھی۔"

نئے عائلی قوانین کا انجام عائلی قانون کا یہ انجام میرے لیے حیرت انگیز تو تھا مگر نا قابلِ فہم نہیں تھا۔ اس لیے کہ خود پاکستان کے اندر اس قانون نے جو معاشرتی کشمکش پیدا کر رکھی ہے وہ لوگوں کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ اس سے فرار کے لیے نئے نئے راستے نکالیں۔ پاکستانی قوم جو عرصۂ دراز تک غلامی کی زندگی بسر کرتی رہی ہے اور جس کی وجہ سے اُس کے اندر وہ بہت سی خصوصیتیں معدوم ہو گئی ہیں جو آزاد قوم کے شایانِ شان ہیں، اُس کے لیے بھی غیر اسلامی عائلی قانون گوارا کرنا مشکل ہو رہا ہے کجا کہ تُرک قوم، جو غلامی کی لعنت سے پاک رہی ہے اور جس کے پاس عائلی قوانین کا نہایت ترقی یافتہ نظام مجلّۂ احکام عدلیہ کی شکل میں موجود تھا۔ مَیں نے شیخ نصوحی سے درخواست کی کہ وہ اِس موضوع پر مزید روشنی ڈالیں۔ بلکہ مَیں نے اِس موضوع کے بارے میں اپنی شدید دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کے عائلی قوانین کا خلاصہ بھی پیش کیا، اور انہیں یہ لطیفہ بھی سنایا کہ شروع شروع میں جب یہ قانون نافذ کیا گیا تو ایک یونین کونسل کے چیئرمین نے ایک شخص کو یہ وارننگ دی تھی کہ اُس نے پہلی بیوی کو طلاق دینے کے بعد دوسری شادی ایامِ عدت گزارنے سے پہلے کیوں کر لی ہے۔ شیخ اِس پر خوب ہنسے۔ اور فرمانے لگے کہ ایسے لطائف کی ہمارے ہاں بھی کمی نہیں رہی۔ مگر درحقیقت تُرک عوام نے نئے عائلی قوانین کو دل سے ہرگز قبول نہیں کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اِن قوانین کے اجراء کے بعد عوام کے اندر ایک اصطلاح چل پڑی جسے عربی میں "تخالُل" کہتے ہیں، یعنی "دوست گری"۔ یہ اصطلاح خفیہ طور پر شہروں سے نکلی اور قصبوں اور دیہات تک پھیل گئی۔ دوسرے معنوں میں یہ "خفیہ اصطلاح" ایک سے زائد شادی کے لیے جواز کا فتویٰ تھی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اِسے رواج دینے میں بعض علماء کا ہاتھ ہو۔ اس اصطلاح کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اسلامی طریقے کے مطابق دوسری شادی کر لیتا ہے اور قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے وہ دوسری بیوی کو باقاعدہ "بیوی" کہنے کے بجائے "دوست" (GIRL FRIEND) کہہ دیتا ہے تو قانون اس پر راضی ہو جاتا ہے اور شرعاً نکاح پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ اُس کا نکاح درست اور مطابقِ شریعت ہے۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں حسبِ ضرورت دوسری شادیاں رچاتے اور جب قانون کی باز پرس ہوتی تو کہہ دیتے کہ دوسری عورت میری دوست ہے۔ قانون اِس تاویل کے آگے دم بخود ہو جاتا۔ کیونکہ نئے قانون کی رُو سے دوسری "شادی" ممنوع تھی، "دوست گری" ممنوع نہ تھی۔ "قانونی بیوی" اور "شرعی بیوی" کا یہ فرق صرف ظاہری تھا۔ ورنہ حقوق و

فرائض میں دونوں یکساں ہوتی تھیں بلکہ اکثر علاقوں میں یہ دونوں ایک ہی گھر میں رہتی تھیں۔ شرعی بیویوں کی اولاد کو لوگ یا تو پوشیدہ رکھتے اور اسے سرکاری کاغذات میں درج نہ کرواتے اور یا قانونی بیوی کے کھاتہ میں درج کروا دیتے۔ ۱۹۴۵ء میں جب پانچ لاکھ غیر قانونی جوڑوں کو قانونی جوڑے تسلیم کر لینے کا قانون صادر ہوا تو اس قانون پر بحث کے دوران یہ بھی بتایا گیا کہ "ان ۵ لاکھ جوڑوں کے ساتھ ۱۰ لاکھ خفیہ بچے بھی موجود ہیں"۔ شیخ نصوحی نے کہا کہ ترکی معاشرے کے اندر جن الجھنوں کو سوئٹزرلینڈ کے سول لا نے جنم دیا ہے یہ اس کی صرف ایک مثال ہے۔ یہ قانون خود سوئٹزرلینڈ میں ناکام ہو چکا ہے۔ اور سوئٹزرلینڈ کا معاشرہ اس کی بدولت تمام مغربی معاشروں سے زیادہ بدتر حالت میں ہے۔ وہاں ہر سو جوڑوں میں سے ۲۵ سے زائد جوڑوں کا انجام طلاق پر ہوتا رہا ہے، اور اب تو یہ نسبت مزید بڑھ چکی ہے۔ مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھیوں کے عقلی دیوالیہ پن کا حال یہ تھا کہ اسلام کے بہترین عائلی قانون کو منسوخ کر کے ان لوگوں نے سوئٹزرلینڈ کا یہ ناکام قانون لا کر ترکی قوم پر مسلط کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ شیخ عمر نصوحی کے الفاظ میں ترک ملت نے مصطفیٰ کمال کی عائلی اصلاحات کو ہرگز قبول نہیں کیا، اور خاص طور پر ترکی کی دیہی آبادی میں تو ان اصلاحات کے خلاف آج تک شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے[1]۔ شیخ عجلت میں تھے۔ اور نماز تراویح کا وقفہ بھی کم تھا اس لیے یہ مجلس برخاست ہو گئی اور کل کی افطاری کے لیے پرنسپل صاحب کی طرف سے دوبارہ دعوت پیش کی گئی۔ مجلس کے اندر کمال داتے نامی ایک تاجر بھی موجود تھے جن کا اپنا کتب خانہ اور پریس ہے۔ گفتگو کے دوران تو وہ چپ چاپ بیٹھے رہے مگر جب ہم اٹھنے لگے تو یہ یوسف صالح قرجہ صاحب سے کہنے لگے کہ میں خلیل حامدی سے نشر و اشاعت کے موضوع پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ شیخ عمر نصوحی تو تشریف لے گئے اور پرنسپل صاحب بھی اپنے بعض معاملات میں مشغول ہو گئے، مگر دوسرے دوست دوبارہ بیٹھ گئے۔

اسلامی لٹریچر کی طباعت و اشاعت | اسماعیل داتے صاحب نے بتایا کہ یغمور پریس کے نام سے اُن کے پاس اچھا چھاپہ خانہ ہے۔ کتابوں کی ایک دکان بھی ہے۔ ان کا مقصد اسلامی فکر کا فروغ اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت ہے۔ اُن کی خواہش ہے کہ وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابیں ترکی زبان میں وسیع پیمانے پر شائع کریں اور پھیلائیں۔

[1] ترکی کے ایک اور اسلام پسند وکیل سے بھی ترکی کے دورِ عثمانی کے قانونی اور عدالتی نظام اور لادینی دور کی اصلاحات کے موضوع پر گفتگو ہوئی جسے ہم آگے چل کر نقل کریں گے۔

میں نے اُن سے دریافت کیا کہ مولانا مودودی کی جو کتابیں اب تک ترکی میں چھپ چکی ہیں اُن کی اشاعت اور ترویج کا کیا حال ہے؟ یوسف صالح قرجہ کی وساطت سے انہوں نے بتایا کہ مولانا مودودی ترکی کے تعلیم یافتہ طبقہ میں کافی متعارف ہیں۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ میں وہ خاصے مقبول ہیں۔ طلبہ کا اسلام پسند عنصر بڑے ہی شوق اور اہتمام سے مولانا کی کتابیں پڑھتا ہے۔ ان کتابوں کی مقبولیت میں حالات کے تغیر سے روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس بنا پر میں چاہتا ہوں کہ بازار کی مانگ کا لحاظ کرتے ہوئے اِن کتابوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں پھیلایا جائے۔ طباعت اور ظاہری حُسن کا معیار بھی بلند سے بلند تر ہو اور قیمت بھی مناسب ہو۔ اسماعیل وائے صاحب نے پُورے عزم و شیفتگی کے ساتھ کہا کہ میں اِن شرائط کے ساتھ کماحقہٗ مولانا مودودی کے لٹریچر سے بازار کو بے نیاز کر سکتا ہوں۔ مزید اُن میری آرزو ہے کہ مولانا مودودی کے افکار کو اس ملک کے اندر پھیلانے کی مجھے سعادت نصیب ہو۔ ۴۰-۴۵ برس کے اس وجیہ و شکیل تاجر کے یہ الفاظ بڑے خلوص اور قلبی لطافت کی غمازی کر رہے تھے اور میرا دل یہ سوچ رہا تھا کہ جس ملک سے اسلامی مطبوعات کو چُن چُن کر نکالا گیا تھا، اسلامی کتب خانوں کو تالے لگا دیے گئے تھے اور اسلامی فکر و نظر کے حامل لٹریچر کے گاہکوں کو جیل خانوں کی ہوا کھلائی گئی تھی، وہ ملک اپنی اسلامیت سے پھر بھی بیگانہ نہ ہو سکا اور رُبع صدی کے اندر اندر اُس نے باہر سے زبردستی درآمد کردہ نظریات و خیالات کو مکھی کی طرح اُگلنا شروع کر دیا۔ راقم الحروف نے اسماعیل وائے صاحب کے جذبات کا پُورا پُورا شکریہ ادا کیا اور اُن سے عرض کیا کہ ترکی کے اندر مولانا مودودی کی کتابوں کے تراجم کی طباعت و اشاعت کا انتظام تُرکی ہی کے ایک دست کو سونپا گیا ہے۔ میں اُن تک آپ کی خواہش پہنچا دوں گا اور خود مولانا مودودی مدظلہ العالی کے علم میں بھی لاؤں گا۔ یہ حضرات مناسب فیصلے سے آپ کو مطلع کر دیں گے۔ یوسف صالح قرجہ صاحب نے اسماعیل وائے صاحب کی بھرپور تائید کی۔ بلکہ انہوں نے بتایا کہ میں علامہ اقبال مرحوم کی کتاب "بالِ جبریل" کا تُرکی میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ کتاب کا اکثر و بیشتر حصّہ مکمل ہو چکا ہے اور یہ ترجمہ بھی اسماعیل وائے صاحب ہی شائع کریں گے۔ یوسف صالح قرجہ صاحب کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ موصوف لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضلِ ادب کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ اردو زبان و ادب کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں اور اپنی دیگر مصروفیات کے باوجود اردو زبان کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ بالِ جبریل کے ترجمہ کا مسودہ بھی اُن کے پاس ہی تھا۔ انہوں نے بڑے فخر و انبساط کے ساتھ اُسے نکالا

اور ساقی نامہ کا ترجمہ سنانا شروع کر دیا۔ بلکہ انہوں نے خود اصل ساقی نامہ بھی مجھے اُردو میں سنایا۔ لہجہ اور تلفظ دونوں خوب تھے۔ عربوں کے اندر اُردو نوازی کی صرف دو مثالیں ملتی ہیں۔ ایک ڈاکٹر عبدالوہاب عزام مرحوم جنہوں نے علامہ اقبالؒ کے فارسی اور اُردو کلام کا عربی اشعار میں ترجمہ کیا ہے۔ اور دوسرے یمن کے نامور اسلامی رہنما مرحوم محمود محمد زبیری جنہوں نے مولانا حالیؒ کی مسدس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ ان شاذ مثالوں کے سوا عربوں کے اندر اُردو سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں کی۔ ترکوں کے اندر اُردو کی رغبت بہت دیکھی۔ (باقی)

سوشلزم کی ناکامیاں

از

اسعد گیلانی ایم۔ اے

سوشلزم کی ۴۲ فکری لغزشیں اور عملی ناکامیوں کی متعین مثالیں مستند کتب سے حوالہ جات۔ طلباء اور سیاسی کارکنوں میں مفت تقسیم کے لیے صرف لاگت پر -/۲۲ روپے سینکڑہ۔ آفسٹ طباعت۔ رنگین سرورق ۴۸ صفحات پر مشتمل۔

شائع کردہ

ادارۂ ادب اسلامی

۲۲ اے سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا